۱۴

مومن کا دائرہ محبت بہت وسیع ہونا چاہیئے

(فرمودہ ۱۳- اپریل ۱۹۳۴ء)

تشہّد' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

مجھے اپنی خلافت کے ایام میں پہلی مرتبہ اس قسم کا سفر درپیش ہوا جیسا کہ گزشتہ ہفتہ میں لائل پور کا پیش آیا تھا اور میں اس سفر سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہاں ایک طرف مخالفت زوروں پر ہے اور دشمنانِ احمدیت ناخنوں تک کا زور لگا کر یہ کوشش کررہے ہیں کہ کسی طرح سلسلہ عالیہ احمدیہ کو نقصان پہنچائیں اور اسے لوگوں کی نظروں سے گرادیں' کہیں ٹریکٹوں' کتابوں اور اشتہاروں کے ذریعہ' کہیں اخباری مضامین کے ذریعہ' کہیں لیکچروں اور تقریروں کے ذریعہ' کہیں منظّم سوسائٹیوں کے ذریعہ' کہیں حکومت کے اراکین میں غلط پروپیگنڈا کرکے' کہیں عوام کو یہ اشتعال دلا کر کہ احمدیوں کی جماعت مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو توڑ دے گی' کہیں کانگرسیوں کو یہ کہہ کر کہ یہ گورنمنٹ کے خوشامدی ہیں' کہیں حکومت سے تعاون کرنے والوں پر یہ اثر ڈال کر کہ یہ حکومت کے باغی ہیں۔

غرض ہر رنگ میں ہر قسم کی اضداد استعمال کرتے ہوئے' کہیں باغی کہہ کر اور کہیں خوشامدی بتا کر' کہیں بے وقوف کہہ کر اور کہیں عقلمندوں کا جتھا قرار دے کر' کسی سے یہ کہہ کر کہ یہ اسلام کے بڑھانے اور اسے تمام ادیان پر غالب کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور کسی سے یہ کہہ کر کہ یہ اسلام کے مٹانے کے درپے ہیں۔ غرض جتنے اضداد دنیا میں ممکن ہوسکتے ہیں' وہ سب سلسلہ احمدیہ کے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ایک نادان و ناواقف

شخص جس نے مخالفین کے تمام اعتراضات پر یکجائی نظر نہ ڈالی ہو' چونکہ نہیں جانتا' کہ دوسرے موقع پر یہ کیا الزام لگاتے ہیں' خیال کرتا ہے کہ شاید یہ الزام درست ہی ہو جو بیان کیا جاتا ہے وہاں میں اس سفر سے اس نتیجہ پر بھی پہنچا ہوں کہ باوجود اس قدر مخالفت کے لوگ ہماری باتیں سننے پر آمادہ ہیں اور وہ خواہش رکھتے ہیں کہ کوئی انہیں سلسلہ کے حالات سے واقف کرے- میرے لائل پور جانے کے موقع پر ہر رنگ میں مخالفین کے رؤساء نے کوششیں کیں کہ کسی طرح لوگ اس طرف توجہ نہ کریں مگر باوجود اس کے کہ وہاں کی مقامی جماعت نہایت قلیل ہے اور شاید چالیس مَردوں سے زیادہ نہیں کیونکہ ساری مردم شماری عورتوں اور بچوں سمیت جو مجھے بتائی گئی وہ دوسَو کے قریب ہے- پس مرد تیس پینتیس یا زیادہ سے زیادہ پچاس ہوں گے اور چالیس ہزار کی آبادی والے شہر میں یہ تعداد بہت ہی قلیل ہے- پھر سوائے دو تین کے باقی لوگ غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر باوجود ان تمام حالات کے لوگوں نے اس مخالفت کی پرواہ نہیں کی جو مخالفین کی طرف سے کی گئی تھی-

عام طور پر جلسوں کی حاضری تین سے چھ ہزار تک سمجھی جاتی تھی اور مجھے قادیان سے باہر کسی جگہ اس بات کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا کہ کُھلے میدان میں اس طرح وسعت سے آدمی پھیلے ہوئے ہوں جیسا کہ قادیان میں سالانہ جلسہ کے موقع پر پھیلے ہوتے ہیں- گیلریوں کو چھوڑ کر جو زائد ہوتی ہیں یہاں جس قدر جلسہ گاہ کا حصہ ہوتا ہے' اس کے قریب قریب ہی لائل پور کی جلسہ گاہ تھی اور پھر تمام آدمیوں سے بھری ہوئی تھی- مگر سوال یہ نہیں کہ آدمیوں سے جلسہ گاہ بھری ہوئی تھی بلکہ قابلِ غور امر یہ ہے کہ سخت مخالفت کے باوجود' یہاں تک کہ مخالف علماء کی طرف سے یہ فتویٰ دیئے جانے کے باوجود کہ احمدیوں سے ملنے پر نکاح ٹوٹ جائے گا' ہر طبقہ کے لوگ آئے' معززین میں سے بھی اور عوام الناس میں سے بھی- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف جو کوششیں ہمارے خلاف کررہے ہیں اگر ایک طرف ان سے ہمارے لئے بعض مشکلات پیدا ہورہی ہیں تو دوسری طرف ان کی مخالفت ہمارے تبلیغی راستہ میں روک نہیں ہورہی بلکہ لوگوں کی توجہ پھرانے کا باعث بن رہی ہے- مجھے ایک شخص نے لائل پور میں بیعت کرتے وقت عجیب واقعہ سنایا' وہاں قریباً ایک سَو چالیس افراد نے بیعت کی ہے اور جو بیعت کرتا' میں اُس سے متفرق حالات بھی دریافت کرتا تا مجھے معلوم ہو کہ یہ کس ضلع کا ہے اور اب آئندہ ہماری تبلیغی سرگرمیاں کس ضلع میں

زیادہ نمایاں تغیر پیدا کر سکیں گی اور کس جگہ کی جماعتیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی کریں گی۔ ضمنی طور پر میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ضلع وار بیعت کے لحاظ سے ضلع شیخوپورہ کے بیعت کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد لائل پور اور پھر سرگودھا وغیرہ اضلاع کے لوگوں نے بیعت کی۔ ایک شخص نے جو سرگودھا کے ضلع کے تھے اور لائل پور میں کسی ای۔ اے۔ سی کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے' جب انہوں نے بیعت کی تو میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں ضلع سرگودہا کا ہوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو سلسلہ احمدیہ کی طرف کس طرح توجہ ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میں لائلپور میں نوکر تھا یا کہا کہ میں نوکر ہوں اسی دوران میں مجھے ایک اشتہار ملا جو یہاں کی کسی مسجد کے امام کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ اس میں جماعت احمدیہ کے خلاف بہت سی باتیں لکھی تھیں وہ کہنے لگے مجھے اشتہار پڑھ کر سخت غصہ آیا کہ ایک طرف تو یہ احمدی اپنی نیکی اور اسلام سے ہمدردی کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف اسلام کی اتنی ہتک کرتے ہیں کہ امامت اور نبوت کے مدعی بنتے ہیں کہتے ہیں میں اسی غصہ کے جوش میں ایک احمدی کے ہاں گیا اور اسے کہا کہ آپ لوگ اندر سے اور ہیں اور باہر سے اور۔ منہ سے تو اسلامی ہمدردی کے دعوے کرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ آپ کے مرزا صاحب مستقل نبوت کے مدعی ہیں۔ انہوں نے بڑی نرمی سے کہا ذرا بیٹھ جائیے۔ اور پھر ایک ایک اعتراض لے کر انہوں نے مجھے حوالے کتابوں سے دکھانے شروع کئے۔ جو بھی وہ حوالہ نکالیں اصل عبارت میں کچھ اور ہوتا اور اشتہار میں کچھ اور۔ اس طرح دو دن وہ مجھے سمجھاتے رہے۔ جب میں اچھی طرح سمجھ گیا تو پھر مجھے اس مولوی صاحب پر غصہ آیا جس نے اشتہار شائع کیا تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور اسے کہا کہ آپ لوگ ہمارے عجیب راہنما ہیں۔ اشتہار میں یہ لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب فلاں فلاں عقیدہ رکھتے تھے حالانکہ اصل کتابیں مَیں نے دیکھی ہیں' وہاں کچھ اور ہی لکھا ہے۔ مولوی صاحب میری بات سنتے ہی ناراض ہوگئے اور کہنے لگے تم کسی احمدی کے پاس گئے ہی کیوں تھے۔ میں نے کہا تم یہ بتاؤ تم نے جھوٹ کیوں بولا۔ آخر وہ مولوی صاحب مجھ سے سخت ناراض ہوگئے اور میں نے سمجھا کہ اب مجھے تحقیق کرنی چاہئیے۔ پندرہ بیس دن تحقیق کی تو حق مجھ پر کُھل گیا اور میں بیعت کیلئے تیار ہوگیا۔

دیکھو یہ مخالفت ہی تھی جو اُسے اِدھر لانے کا ذریعہ بنی کیونکہ اس کے احمدی بنانے کا

ذریعہ ہم نہیں تھے بلکہ غیراحمدی امام مسجد ذریعہ بنے۔ تو کئی دفعہ مخالفتیں فائدہ بخش ہو جاتی ہیں۔ میں نے اس سفر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ باوجود مخالفت کے خداتعالیٰ کا یہ فضل بھی ہو رہا ہے کہ اس مخالفت کی وجہ سے لوگوں کی توجہ احمدیت کی طرف پھر رہی ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اتنی بیعت ایک دن کے لیکچر کا نتیجہ تھی بلکہ ان لوگوں کو پہلے سے تبلیغ ہو چکی تھی لیکن وہ تین سے چھ ہزار تک لوگ جو جلسوں میں شامل ہوتے رہے' ان کے دلوں میں بھی ایک بیج بویا گیا ہے جو آج نہیں تو کل اور اس مہینہ میں نہیں تو اگلے مہینہ میں پھوٹے گا۔ جب باوجود نکاح ٹوٹ جانے کی دھمکی دیئے جانے کے وہ شوق سے ہمارے جلسوں میں آئے تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں ہدایت کی تڑپ ہے جو کسی روز اپنا رنگ لائے گی۔ سب سے زیادہ ڈر لوگوں کو نکاح ٹوٹنے کا ہوتا ہے اور یہی مولویوں کا آخری ہتھیار ہے جس سے وہ کام لیا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سیالکوٹ تشریف لے گئے تو اُس وقت میری عمر چودہ پندرہ سال کے قریب تھی۔ مجھے یاد ہے پیر جماعت علی شاہ صاحب اور ان کے مریدوں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ جو احمدیوں سے ملے گا اُس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ چونکہ مخالفت زوروں پر تھی اس لئے جماعت کے لوگوں کا خیال تھا کہ لیکچر میں صرف جماعت کے ہی لوگ شامل ہوں گے' دوسرے لوگ نہیں آئیں گے اور بعض کے دل میں اسی وجہ سے یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ لیکچر گاہ محدود جگہ میں بنائی جائے تاکم لوگوں کے آنے کی وجہ سے جماعت کی سُبکی نہ ہو مگر جلسہ وہیں ہوا جہاں انتظام کیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا' مولوی ہر دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ شور مچارہے تھے کہ دیکھنا اندر نہ جانا ورنہ نکاح ٹوٹ جائے گا چھپے ہوئے اشتہار بھی تقسیم کرتے جاتے مگر لوگ بے تحاشہ جلسہ گاہ کی طرف آتے اور جب مولوی اُنہیں کہتے کہ نکاح ٹوٹ جائے گا تو کہتے نکاح تو سَوا روپیہ دے کر پھر بھی پڑھالیں گے مگر مرزا صاحب نے معلوم نہیں پھر آنا ہے یا نہیں' انہیں تو ایک دفعہ دیکھ لیں۔ اس مخالفت کا عجیب اثر تھا۔ اُس وقت ایک انگریز بی ٹی صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اور اس پولیس کے جو لیکچر کیلئے متعین تھی' انچارج تھے۔ جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیکچر دے چکے تو بعض نے پتھر مارنے کی کوشش کی۔ گو پولیس کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا اور لوگوں کی شورش کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکی مگر جب لوگوں نے شورش برپا کرنی چاہی تو بی ٹی صاحب نے کہا میں نہیں سمجھتا یہ لوگ کیوں شور مچارہے ہیں۔ یہ شخص خدا تو ہمارا مارتا ہے پھر انہیں غصہ

کیوں آرہا ہے- یعنی وفات تو ہمارے خدا کی ثابت کررہا ہے اور ناراض مسلمان ہوتے ہیں-

غرض نکاحوں کا سوال ایک اہم سوال ہوتا ہے اور لوگوں کیلئے اس قسم کے فتویٰ کے بعد جلسوں میں شامل ہونا مشکل ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر عورتیں کمزور ہوتی ہیں اور وہ خیال کرلیتی ہیں کہ اگر ہمارے مرد فتویٰ کی زد میں آگئے تو اس کے بعد ہمارا اپنے گھر میں رہنا بدکاری سمجھا جائے گا مگر اس قسم کے فتووں کے باوجود کثرت سے لوگ آئے جو علامت ہے اس بات کی کہ جو فتنہ اور شورش ہمارے خلاف پیدا کی جارہی ہے' وہ گو بعض لحاظ سے ہمارے لئے مُضِر[3] ہو مگر تبلیغی دروازہ خداتعالیٰ نے ہمارے لئے بند نہیں ہونے دیا- میں نے بھی دیکھا کہ اس موقع پر ہماری جماعت کو مختلف جماعتوں کی طرف سے مدد ملی- جہاں غیر احمدی شرفاء نے تعاون کیا' وہاں بعض ذمہ دار افسروں کا رویہ بھی بہت ہمدردانہ رہا- سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس جو ہندوستانی مسلمان ہیں' ان کا رویہ نہایت ہی قابلِ تعریف تھا- وہ ٹی پارٹی کے موقع پر مجھے بھی ملے- ان کا طریقِ عمل ایسا اعلیٰ تھا جس میں قطعاً تعصب کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا- مگر شاید افسروں کے متعلق کوئی کہے کہ دیانتدار افسر انصاف کیلئے کوشش کیا ہی کرتے ہیں اس لئے میں یہ بھی بتادینا چاہتا ہوں کہ دوسرے لوگوں میں بھی ہمدردی اور تعاون کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا تھا- بعض میونسپل کمیٹی کے افسروں نے کوشش کرکے ہمارے لئے مفت چیزیں مہیا کیں- چنانچہ میز اور کرسیوں کے گڈے بھروا کر مفت ہمارے جلسہ گاہ میں بھیج دیئے- اسی طرح ایک سکھ صاحب کے سائبان تھے' انہوں نے نصف کرایہ لیا حالانکہ ان کو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ ہم سائبانوں کو جلا دیں گے- وہ سامان ۱۵'۱۶ ہزار کی مالیت کا تھا اور ایک تاجر کیلئے اس سے زیادہ خطرہ کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ سامان کے تلف کردینے کی اسے دھمکی دی جائے مگر باوجود اس کے اس نے نصف کرایہ وصول کیا- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شریف طبقہ ہمارے متعلق اپنے دلوں میں ہمدردی کے جذبات موجزن پاتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ جاہلوں کی مخالفت ذاتی اغراض کی بناء پر ہے حقیقتاً یہ سلسلہ ملک و ملت کا خادم ہے- لیکن جہاں اس نتیجہ کے نکالنے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے وہاں ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوتی ہے- مالا بار کے متعلق میں نے دیکھا' وہاں کے ایک شہر کالی کٹ میں ایک احمدی کو قبرستان میں دفن ہونے سے مسلمانوں نے روک دیا- گورنمنٹ کے افسروں بلکہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بھی لوگوں کی مخالفت سے متأثر ہوکر

رپورٹ کرکے ڈپٹی کمشنر سے اجازت لے لی کہ احمدیوں کو میونسپل قبرستان میں لاش دفن نہیں کرنی چاہیئے مگر ہندوؤں نے نہایت جوش سے اس تحریک کا مقابلہ کیا اور میونسپل کمیٹی سے فیصلہ کرایا کہ احمدیوں کو اس قبرستان میں دفن ہونے کا حق حاصل ہے۔ اس موقع پر اگرچہ بعض مسلمان واک آؤٹ بھی کرگئے مگر ہندوؤں نے کہا یہ ظلم ہم سے برداشت نہیں ہوسکتا کہ میونسپل کمیٹی کا قبرستان ہو جو تمام مسلمانوں کے لئے کھلا ہو مگر احمدیوں کو اس میں دفن ہونے سے روکا جائے۔

اسی طرح یہاں بھی میں نے دیکھا ہے کہ ہندو اور سکھ صاحبان میں سے بہت سے شریف لوگ مجھے نظر آئے اور وہ ایسے ہمدردانہ رویہ سے پیش آئے کہ طبیعت انہیں دیکھ کر خوش ہوگئی۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے غیرمذاہب کے شرفاء کے اس احسن طریقِ عمل کو دیکھ کر ہماری ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں اسلامی مفاد کیلئے ہمارا مسلمانوں کے ساتھ سیاسی طور پر اتحادِ کلی ہے' وہاں ہمارا جوش اس حد تک نہیں بڑھ جانا چاہیئے کہ ہم دوسری قوموں کے شریف لوگوں کی خدمات کو بھول جائیں۔ میرا بیسیوں مرتبہ کا تجربہ ہے اور اس دفعہ بھی میں نے دیکھا کہ ایسے مواقع پر جبکہ شریر اپنی شرارت پر آمادہ ہوتے ہیں جس طرح مسلمانوں میں سے شریف لوگ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح ہندوؤں' سکھوں اور عیسائیوں میں سے بھی بہت سے شریف لوگ ہمارے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتے اور جہلاء کی مخالفت کو ناپسندیدگی اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پس جبکہ غیرمذاہب کے لوگ حسنِ سلوک اور شرافت میں اس درجہ پہنچے ہوئے ہوں تو ہمیں ان سے بہت زیادہ وسیع الحوصلہ ہونا چاہیئے اور بہت زیادہ ان سے تعاون اور ہمدردی کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ ہندو مسلم سوال نظرانداز کرکے اگر ہم ان سے اعلیٰ سلوک نہیں کریں گے تو اس سے زیادہ افسوسناک بات اور کوئی نہیں ہوگی اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم ہارے اور وہ جیتے۔ کیونکہ ہارتا وہی ہے جو بداخلاقی دکھاتا ہے اور جیتتا وہی ہے جو حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے۔ پس میری طبیعت نے اس دفعہ کے سفرِ لائل پور سے یہ اثر قبول کیا کہ گو ہمیشہ ہی میں یہ کہتا رہتا ہوں کہ ہمیں صلح اور محبت سے رہنا چاہیئے اور ہمیں قومیت کے جذبات کو زیادہ اُبھارنا نہیں چاہیئے مگر اس دفعہ خصوصیت سے توجہ دلاؤں اور اپنی جماعت کو بتاؤں کہ ہر قوم میں شریف لوگ موجود ہیں جو لوگوں کی مخالفت بلکہ اپنی قوم کی مخالفت کے باوجود بھی ہم سے ہمدردی

رکھتے اور نیک سلوک کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ اگر اس قوم کے شرفاء اعلیٰ نمونہ دکھاسکتے ہیں جن کا مذہب مرورِ زمانہ کی وجہ سے اپنی صحیح شکل کھو بیٹھا ہے تو اس قوم کے شرفاء کو تو بدرجہ اَولیٰ زیادہ اعلیٰ نمونہ دکھانا چاہیئے جس کا مذہب صحیح شکل میں موجود ہے۔ پس ہماری جماعت کے افراد پر کسی موقع پر بھی، کسی صورت میں یہ الزام نہیں آنا چاہیئے کہ وہ ہندو، سکھ یا عیسائی سے حسنِ سلوک کا برتاؤ نہیں کرتے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ جہاں مسلمانوں کے حقوق کا سوال پیدا ہوگا، وہاں ہمیں مسلمانوں سے تعلق رکھنا پڑے گا کیونکہ علاوہ سیاسی اتحاد کے مذہبی لحاظ سے بھی ہمارا مسلمانوں سے سب سے بڑھ کر اتحاد ہے اور ہمارا ان سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ جسم کے دو ٹکڑے۔ اور باوجود اس کے کہ وہ اسلام سے دُور ہیں ایسے عقائد اختیار کئے ہوئے ہیں جو اسلام کی جڑوں پر تبر کا حکم رکھتے ہیں، ہم انہیں نظرانداز نہیں کرسکتے کیونکہ ان کے اور ہمارے فوائد بہت حد تک یکساں ہیں۔ مگر باوجود اس اتحاد کے جو ہمارا مسلمانوں سے ہے، ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم صلح و آشتی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہم نے نہ صرف لوگوں سے انصاف کرنا ہے بلکہ ان سے ہمدردی کرنی اور ان کی تکالیف میں غمگساری بھی کرنی ہے۔

پس ہمیں ان لوگوں کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر کوشش کرنی چاہیئے کہ ان سے زیادہ اعلیٰ نمونہ دکھائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی طریقِ عمل تھا۔ ایک دوست نے سنایا کہ ایک دفعہ ہندوؤں میں سے ایک شدید مخالف کی بیوی سخت بیمار ہوگئی، طبیب نے اس کیلئے جو دوائیں تجویز کیں ان میں مُشک بھی پڑتا تھا جب کہیں اور سے اسے کستوری نہ ملی تو وہ شرمندہ اور نادم سا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور آکر عرض کیا کہ اگر آپ کے پاس مشک ہو تو عنایت فرمائیں۔ غالبًا اسے ایک یا دو رتی مُشک کی ضرورت تھی مگر اس کا اپنا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مُشک کی شیشی بھر کر لے آئے اور فرمایا آپ کی بیوی کو بہت تکلیف ہے، یہ سب لے جائیں۔ تو درحقیقت اخلاقِ فاضلہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو دوسرے کے دل میں محبت پیدا کرتی ہے۔ اگر ہمارے دل میں ہمدردی ہو، تعاون کا مادہ ہو، انکسار پایا جاتا ہو تو اس سے بہت جلد لوگوں کے قلوب مسخر ہوجاتے ہیں۔ اپنے حقوق کی حفاظت کیلئے جدوجہد کرنے سے انسان کی دنیوی زندگی آرام سے کٹتی ہے اور دوسروں سے ہمدردی کرکے آخرت کیلئے ذخیرہ جمع کرتا ہے۔ ہم اگر اپنے حقوق کیلئے لڑیں گے

تو اِس دنیا میں سُکھ حاصل کر سکیں گے اور قربانی کریں گے تو اگلے جہان میں سُکھ پائیں گے۔
پس میں جماعت کو ایک دفعہ پھر توجہ دلاتا ہوں کہ وہ تمام مذاہب کے افراد سے حُسنِ سلوک کرے کیونکہ ہر قوم میں شریف لوگ پائے جاتے ہیں۔ بیشک ہندو پریس کو دیکھنے سے ہندو قوم کے اخلاق کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا اور معلوم نہیں ہوسکتا کہ ہندوؤں میں کس قدر شریف لوگ پائے جاتے ہیں لیکن ہندوؤں کو ہندو پریس کے ذریعہ نہ جانچو۔ مجھے تو جب بھی ہندوؤں سے ملنے کا موقع ملا' میں نے ان میں بڑے بڑے شریف لوگ دیکھے۔ پس ہندو وہ نہیں جن کا ہندو پریس سے پتہ لگتا ہے بلکہ ہندو وہ ہیں جو اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ "زمیندار" پڑھ کر اگر کوئی شخص مسلمانوں کی حالت کا اندازہ لگانا چاہے تو وہ یہی سمجھے گا کہ مسلمان ایک غنڈہ قوم کا نام ہے لیکن اگر شہروں اور دیہات میں پھر کر دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان میں بڑے بڑے شریف انسان پائے جاتے ہیں جن میں رُشد اور ہدایت کا مادہ موجود ہے اور جو چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کریں۔ صرف اتنی بات ہے کہ ابھی تک انہیں سمجھ نہیں آئی کہ حق کدھر ہے۔

یہی حال سکھوں کا ہے۔ مجھے عام طور پر سکھوں کا پریس دیکھنے کا موقع نہیں ملا مگر میں نے سنا ہے کہ وہ بھی ہندو پریس کی طرح ہی ہے۔ لیکن اگر افراد کے پاس جاؤ تو ان میں بھی بڑے بڑے قابلِ تعریف لوگ دیکھو گے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ان میں سارے ہی اچھے ہیں کمی بیشی کا سوال ہر جگہ ہوتا ہے۔ خدا کی جماعت میں شرفاء زیادہ ہوتے ہیں اور بدَکم۔ لیکن دوسروں میں نیکوں کی کمی ہوتی ہے گو ہوتے ضرور ہیں اور چاہے وہ صداقت سے محروم ہوں' ان میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن میں صلاحیت' رُشد اور محبت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ تو ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ ان سے اعلیٰ نمونہ دکھائے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کے متعلق میں نے حضرت خلیفہ اول سے سنا کہ وہ ایک دفعہ سندھ کے علاقہ سے گزر رہے تھے کہ انہیں معلوم ہوا ایک سکھ اتنا تیراک ہے کہ کوئی شخص اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مولوی صاحب فرماتے۔ شہید صاحب نے یہ سنتے ہی اپنا سفر ملتوی کردیا اور تیرنے کی مشق شروع کردی یہاں تک کہ آخر انہوں نے اس سکھ کو چیلنج دیا کہ آؤ مجھ سے مقابلہ کرلو۔ جب دنیاوی معاملات میں ایک مومن کی غیرت یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ کوئی غیر اُس سے آگے نکل جائے تو اخلاق تو مذہب کا جزو ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کے لحاظ سے آگے نہ بڑھیں اور

اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو یقیناً ہم ناکام رہیں گے۔ پس میں دوستوں کو اس اہم فریضہ کی طرف توجہ دلا کر اپنے فرائض سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ ہمیں غیراحمدیوں' غیرمسلموں بلکہ دہریوں سے بھی حسنِ اخلاق سے پیش آنا چاہیئے اور کسی کو اپنے دائرہ محبت سے خارج نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہماری محبت' ہمدردی اور حسنِ سلوک انہیں دین کے قریب لائے گا دور نہیں کرے گا۔

(الفضل ۱۹۔ اپریل ۱۹۳۴ء)